مسائل میں عرف کا اعتبار

عرف اور فقہی مسائل

مقالہ نگار: مولانا ذاکر اللہ

رکن ماھنامہ العصر جامعہ عثمانیہ پشاور

تمہید:

شریعت اسلامیہ وہ واحد شریعت ہے۔جس نے انسانی فطرت کی مکمل رعایت رکھ کر زندگی کے تمام گوشوں میں اپنے متبعین کے لئے سہولت اور آسانی کی راہ ہموار کی تا کہ لوگ احکام الٰہی پر آسانی سے عمل پیرا ہوں اور ان کی بجا آوری میں کسی قسم کے حرج اور تنگی سے دو چار نہ ہو۔قرآنی آیات اور احادیث مبارکہ میں دین اسلام کی اس امتیازی خصوصیت کی طرف جا بجا اشارہ کیا گیا ہے۔فرمان الٰہی ہے۔"یرید اللہ بکم الیسر ولا یرید بکم العسر"(البقرہ ۱۸۵)اللہ تعالیٰ کو تمہارے ساتھ آسانی کرنا منظور ہے۔دشواری کرنا منظور نہیں۔اور اسلام کے اس فلسفہ یسر اور آسانی کا ایک اہم پہلو یہ بھی ہے کہ شریعت نے خاص دائرہ میں لوگوں کے عرف اور رواج کو معتبر قرار دیا اور کئی مسائل میں اسے ایک مستقل اصل اور اساس کا درجہ دیا چنانچہ متعلقین فقہ پر یہ بات مخفی نہیں کہ معاشرت، معاملات اور اخلاقیات کے سینکڑوں مسائل ایسے ہیں جن کا تعلق عرف سے ہے اور اسی وجہ سے ایک مجتہد اور مفتی کے لئے پیش آمدہ مسئلے میں عرف سے باخبر رہنا ضروری خیال کیا جاتا ہے۔چنانچہ فقہ حنفی کی نامور شخصیت امام محمدؒ کے مناقب میں یہ بات لکھی گئی ہے۔ "کان یذھب الی الصیاغین ویسئل من معاملتھم وما یدیرونھا فیما بینھم" امام محمدؒ سنہاروں کے پاس جاتے تھے اور ان کے معاملات اور باہمی طریقہ کے بارے میں پوچھتے تھے۔(علامہ ابن عابدین، رسائل، سہیل اکیڈمی لاہور ۲/۱۳۰)

عرف کی حقیقت، عرف کا لغوی و اصطلاحی معنی:

عرف عربی زبان کا لفظ ہے جس کا لغوی معنی ہے" جانی پہچانی چیزیں" کبھی کبھار صبر اعتراف اور تتابع جیسے معانی میں بھی استعمال ہوتا ہے۔ اور اصطلاح میں کسی فعل میں اکثر لوگوں کی عادت کو عرف کہا جاتا ہے۔چنانچہ ڈاکٹر عبدالکریم زیدان عرف کی تعریف کرتے ہوئے لکھتے ہیں۔"العرف ماالف المجتمع واعتادہ وسار علیہ فی حیاتہ من قول او عمل"(الوجیز فی اصول الفقہ، موسسہ الرسالۃ بیروت، ص ۲۵۲) عرف سے مراد قولی یا فعلی تصرف ہے۔جو لوگوں کی اکثریت کو پسند ہو۔اکثر لوگ اس کے عادی ہوں اور روز مرہ زندگی میں اس پر عمل پیرا ہوں۔تعریف سابق سے یہ بات واضح ہوئی کہ عرف کے تحقیق کے لئے ایک تو اکثر لوگوں کا تعامل ضروری ہے۔بعض لوگوں کے تعامل کو عرف کہنا درست نہیں بلکہ وہ عادت فرد یا عادت مشترکہ کے قبیل سے ہو عادت مشترکہ اس عادت کو کہتے ہیں جس کے کرنے والے اور نہ کرنے تعداد میں برابر ہوں اور دوسرا یہ کہ صرف وہ امر عرف کہلائے گا جس کو لوگ اپنے اختیار سے سرانجام دیتے ہوں۔غیر اختیاری امور جن کی منشا طبیعت ہو عرف کے مفہوم سے خارج ہونگے۔جیسے پندرہ سال عمر بلوغ کی حد تک پہنچنا

اگر چہ اکثر لوگوں کی عادت ہے۔لیکن طبعی اور غیر اختیاری امر ہونے کی وجہ سے تعریف اس کو شامل نہیں۔

عرف سے ہم آہنگ الفاظ:

فقہاء کرام کی عبارات میں عرف کے لئے تعامل، استعمال اور عادت جیسے الفاظ بھی استعمال ہوتے ہیں۔اردو زبان میں اس کے لئے رواج کی اصطلاح استعمال ہوتی ہے۔

عرف اور عادت میں مناسبت:

تعامل اور استعمال دونوں لفظ عرف کے ہم معنی ہیں۔جبکہ عادت کے بارے میں علماء کرام کی آراء مختلف ہیں۔بعض فقہاء کرام جیسے علامہ ابن نجیم، سلیم رستم باز وغیرہ تو عرف اور عادت کو ہم معنی اور مترادف قرار دیتے ہیں۔جبکہ کچھ حضرات کی رائے یہ ہے کہ ان دونوں میں نسبت عموم وخصوص مطلق کی ہے یعنی عادت کا مفہوم عرف کی نسبت عام اور وسیع ہے کیونکہ عادت کا اطلاق ایک فرد کی عادت پر بھی ہوتا ہے اور جمہور کی عادت (عرف) پر بھی جبکہ عرف صرف جمہور کی عادت سے عبارت ہے۔اس طرح عادت کا مفہوم امر اختیاری دونوں کو شامل ہے جبکہ عرف کا مفہوم صرف امر اختیاری تک محدود ہے۔

عرف اور اجماع میں فرق:

عرف اور اجماع کے مابین بنیادی فرق یہ ہے کہ عرف کسی قول یا فعل میں اکثر لوگوں کے اتفاق کو کہتے ہیں۔خواہ وہ عوام ہوں یا خواص۔مجتہدین ہوں یا غیر مجتہدین جبکہ اجماع صرف ائمہ مجتہدین کے اتفاق سے وجود میں آتا ہے۔وجود میں عام لوگوں کے قول یا فعل کو کوئی دخل نہیں۔

عرف بننے کے عوامل اور اسباب:

عرف بننے کے بنیادی عوامل اور اسباب کل پانچ ہیں۔

(۱) تقلید:۔عرف اور رواج کے وجود میں سب سے اہم کردار تقلید کا ہے۔اکثر قومی عادات اور رسم ورواج تقلید ہی کے ذریعے سے قوت پکڑتی ہے اور اس کے بدولت معاشرے میں پھیلتے ہیں۔

(۲) حاجت اور ضرورت:۔بسا اوقات لوگ اپنی ضرورت کی تکمیل کے لئے ایک طریقہ نکال دیتے ہیں۔جو اپنی مقبولیت کی وجہ سے آہستہ آہستہ وہ عرف کی ضرورت اختیار کر لیتا ہے۔

(۳) دانشمند لوگوں کی ایجاد بھی کبھار عرف بننے کا سبب بن جاتا ہے۔جیسے قسامہ کا طریقہ جو اسلام سے پہلے عربوں میں مروج تھا اور اسلام نے بھی اس طریقہ کو باقی رکھا۔حضرت عبدالمطلب نے جاری کیا تھا۔

(۴) عرف بننے کا چوتھا عامل اور سبب حاکم اور صاحب سلطنت کا امر ہے جیسے عشر وخراج کا نظام بادشاہ نوشیروان نے جاری کیا تھا اور

اسلام نے اس رواج کو برقرار رکھ لیا۔

(۵) وراثت:۔ بعض رواج محض موروثی ہوتے ہیں۔ جو نقل چلے آتے ہیں کوئی خاص حاجت اور ضرورت ان کی متقاضی نہیں ہوتی ہے۔

عرف بدلنے کی وجوہات:

جس طرح معاشرے کے دیگر حالات ہمیشہ یکساں نہیں رہتے۔ اسی طرح لوگوں کے رسم ورواج بھی ایک صورت پر قائم نہیں رہتے۔ بلکہ ان کی شکلیں اور صورتیں بدلتی رہتی ہیں اور اس تغیر اور تبدیلی میں مختلف وجوہات کارفرما ہوتے ہیں جیسے زمانہ بدلنے اور ایک دور کے بعد دوسرے دور کے آنے سے خود بخود رائج عرفوں میں تبدیلی رونما ہوتی رہتی ہے۔ اس طرح مختلف قوموں کا آپس میں ملاپ بھی عرف بدلنے کا ایک سبب ہے یعنی دو مختلف تہذیب اور رواج والی قومیں جب ایک جگہ رہائش پذیر ہونے لگتی ہیں تو غیر شعوری طور پر ایک دوسرے کی عادات اور رسم ورواج سے متاثر ہو جاتی ہے جس کی وجہ سے پرانے کی شکلیں بدل جاتی ہیں۔ عرف بدلنے کا ایک سبب تمدن قوموں کا غلبہ ہے یعنی جب ایک علاقہ اور ملک پر کوئی متمدن قوم غالب آجاتی ہے تو وہاں کے رسم ورواج اس متمدن قوم کی رسم ورواج سے متاثر ہوئے بغیر نہیں رہ سکتی جیسے پاک وہند پر جب انگریز قوم کا غلبہ ہوا۔ تو ان کے طور طریق یہاں کے طور طریق اور رسم ورواج پر اثر انداز ہوئے اور کئی ساری چیزوں جیسے لباس، زبان، تعلیم، سیاست اور معاملات میں نمایاں تبدیلیاں آئیں۔

عرف کی قسمیں:

ائمہ اصول نے ابتداءً عرف کی دو قسمیں بیان کی ہیں۔ عرف قولی اور عرف عملی عرف قولی کا معنی یہ ہے کہ بعض الفاظ یا جملوں کا لغوی مفہوم کے علاوہ کسی دوسرے مفہوم میں استعمال ہونا ایسے مشہور ہو جائے کہ بولتے وقت ان الفاظ سے وہ مفہوم بغیر کسی قرینہ اور عقلی تعلق کے سمجھ میں آجائے لہذا اگر لفظ کا استعمال اپنے لغوی مفہوم ہی میں مشہور ہو تو اس کی عرف قولی سے تعبیر نہیں کر سکتے۔ اس طرح اگر کسی قرینے یا عقلی تعلق کے واسطہ سے وہ معنی ذہن میں آتا ہو تو یہ بھی عرف قولی کے قبیل نہیں ہوگا۔ بلکہ مجاز کا ایک فرد شمار ہوگا۔

عرف عملی کی تعریف: باہمی معاملات یا دوسرے عام افعال میں لوگوں کی عادت کو عرف عملی کہا جاتا ہے۔

دوسری تقسیم:

عرف کے ان مذکورہ دونوں قسموں میں ہر ایک یا تو تمام بلاد اسلامیہ میں رائج ہوگا۔ یا کسی خاص شہر میں پہلی صورت عرف عام کہلاتی ہے اور دوسری صورت عرف خاص۔

تیسری تقسیم:

شریعت کے قبول کرنے اور نہ کرنے کے اعتبار سے بھی عرف کی دو قسمیں بیان کی جاتی ہیں۔

(۱) عرف صحیح (۲) عرف فاسد

عرف صحیح: عرف صحیح وہ عرف ہے جو شریعت کے کسی نص سے متصادم نہ ہو یعنی کسی حرام کو حلال اور حلال کو حرام نہ کرتا ہو۔

عرف فاسد: عرف فاسد کے مفہوم میں ہر وہ رواج داخل ہے جو کسی نص شرعی سے متصادم ہو اور اسی کی بناء ایسی گمراہیوں اور موروثی جہالتوں پر ہو جو کسی فائدہ اور مصلحت کے بجائے مختلف قسم کے مفاسد اور خرابیوں کا باعث بنتا ہے۔

قبائلی معاشرہ اور عرف:

قبائلی معاشرہ ایک ایسا معاشرہ ہوتا ہے جو عام طور پر علامت اور قانون سے بالاتر ہوا کرتا ہے۔ ان کے ہاں عرف اور رواج ہی قانون جیسا درجہ رکھتا ہے۔ غیر قبائلی معاشرہ میں قانون کی جو اہمیت ہوتی ہے اسی طرح اہمیت قبائلی معاشرہ میں رسم و رواج کی دی جاتی ہے جیسا کہ اسلام سے پہلے عرب قبائلی کا سارا نظام قدیم روایات اور رسم و رواج پر مبنی تھا۔ جو رسم ان کے ذہنوں میں بیٹھ جاتی وہ مذہب کا درجہ حاصل کر لیتی۔ حلال اور حرام کی تعیین بھی رسم و رواج سے ہوتی تھی۔ اور یہ خصوصیت صرف ان قدیم قبائل کی نہیں بلکہ جدید قبائل میں بھی رسم و رواج کو بہت اہمیت کی نظر سے دیکھا جاتا ہے۔ جیسے پشتون قبائل لیجئے کہ ان کے ہاں اپنے آباء واجداد کے طور طریقوں، خاندانی رسم و رواج اور علاقائی روایات کی کتنی سختی سے پابندی کی جاتی ہے یہ لوگ قانون کی جگہ رسم و رواج کو زیادہ ترجیح دیتے ہیں۔ ہر شخص اخلاقی طور پر رسم و رواج کا پابند سمجھا جاتا ہے جو آدمی علاقائی رواج کی مخالفت کر لیتا ہے وہ معاشرہ میں سخت تنقید اور ملامت کا نشانہ بنتا ہے لیکن یہاں ایک تلخ حقیقت یہ بھی ہے کہ کچھ اچھی باتوں کے ساتھ ساتھ بعض ایسی چیزیں بھی ان کے رسم و رواج کا جزء بن گئی ہیں۔ جو شریعت کے اصولوں سے متصادم ہیں اور جن کا منشاء محض قبائلی جہالت اور لاعلمی ہے جیسے لڑکی کے اولیاء کے شادی سے پہلے لڑکے والوں سے خطیر رقم وصول کرنا، عورتوں کو حق وارثت سے محروم کرنا اور اس جیسے دوسری باتیں بھی ان کے رواج کا ایک حصہ بن گئی ہے۔

شہری معاشرہ اور عرف:

غیر قبائلی معاشرہ سے مراد وہ ترقی پسند معاشرہ ہے جہاں عدالتی نظام قائم ہوتا ہے اور روزمرہ زندگی کے لئے وضع شدہ قوانین کا نفاذ ہوتا ہے۔ اگرچہ اس معاشرے کے لوگ قبائل کی طرح روایات اور رسم و رواج کو ترجیح نہیں دیتے۔ لیکن اس کے باوجود اس معاشرہ میں بھی رسم و رواج کی اہمیت سے انکار نہیں کیا جا سکتا ہے۔ جیسا کہ انگریز قوم ایک ترقی یافتہ قوم ہے اور ان کا معاشرہ ایک متمدن معاشرہ ہے لیکن اس کے ساتھ ساتھ وہ لوگ روایت پسند بھی ہیں یہاں تک کہ نظام حکومت کے حوالے سے ان کے بہت سے کام ایسے ہیں جو کسی طے شدہ اصول کے تحت نہیں کیے جا رہے ہے بلکہ صرف رواج اور روایات کے سہارے سے ان کا سلسلہ چل رہا ہے۔ جیسا کہ برطانیہ کا آئین میں کہیں بھی یہ بات موجود نہیں کہ بادشاہ کابینہ کے اجلاس میں شرکت نہ کرے۔ لیکن اس کے باوجود اس کا رواج پڑ گیا ہے اور اس پر پابندی سے عمل کیا جاتا ہے۔ اس طرح دارالعوام کی برتری کا ذکر آئین میں نہیں ملتا ہے لیکن رواج اس طرح چلا آ رہا ہے کہ دونوں ایوانوں میں دارالعوام کو برتری حاصل ہوتی ہے۔ برطانیہ کی پارلیمنٹ دو ایوانوں پر مشتمل ہے جنہیں دارالامراء (ہاؤس آف لارڈز) اور

دارالعوام (ہاؤس آف کامنز) کہا جاتا ہے۔اور دونوں میں دارلامراء زیادہ قدیم ہے۔جس میں بادشاہ کی طرف سے نامزد کردہ اشخاص ہوتے ہیں جبکہ براہ راست عوام کے ووٹوں سے آتے ہیں تو ان دونوں ایونوں میں سے دارالعوام کی برتری صرف رواج کا اثر ہے آئین میں اس کا کوئی ذکر نہیں۔اس کے علاوہ بھی کئی رواج ایسے ہیں جن کا آئین میں ذکر نہیں ملتا لیکن اس کی پابندی کی جاتی ہے۔

غیر سماوی اُدیان کی نظر میں:

عیسائیت یہودیت اور اسلام کے علاوہ باقی سارے ادیان غیر سماوی اُدیان کہلاتے ہیں۔ان تمام غیر سماوی ادیان میں قدر مشترک یہ ہے کہ ان سب مذاہب کی بناء پر یا تو لوگوں کی عادات اور رسم ورواج پر رکھی گئی ہے یا علاقائی روایات اور رسم ورواج ان مذاہب کا ایسے جزء بن گئے ہیں کہ یہ تمیز کرنا مشکل ہو جاتا ہے کہ یہ کوئی عام رواج ہے یا مذہب کا ایک حصہ اس میں کوئی شک نہیں کہ اسلام بھی لوگوں کی عادت اور رسم ورواج کو اہمیت کی نظر سے دیکھتا ہے۔لیکن شریعت اسلامیہ کی یہ ایک بنیادی خوبی رہی ہے کہ اس نے کھرے کوٹے اور اچھے برے کے درمیان امتیاز کرتے ہوئے عرف اور عادت کی اہمیت جبکہ مذاہب باطلہ نے اچھے برے میں امتیاز کے بغیر ہر قسم کی روایات اور رواجوں کے اپنے اندر سمولیا اور اپنی حقیقت کا جزء بنالیا۔

رواج کی اہمیت کے حوالہ سے اسلام اور غیر سماوی ادیان میں کہ اسلام کے اعتقادات،عبادات اور بنیادی اصول عادات اور روایات کی رو میں بہہ گئے ہوں جبکہ ادیان غیر سماویہ کے عقائد اور عبادات وغیرہ رسم ورواج سے اس قدر متاثر ہوئے کہ عقائد اور مذہبی رسوم بھی علاقائی روایات کے ساتھ گل مل گئے۔

ہندومت اور رسم رواج:

ہندو مذہب بہت سے قوموں کی عادات اور رسم ورواج کا ایک مجموعہ ہے۔ہندومت مذہب جس دور یا جس مقام سے بھی گزرا ہے۔اس کے رسم ورواج کو اپنے اندر سمولیا ہے۔اس لئے مختلف ادوار اور مقامات کی متضاد روایات اور عادات اس مذہب کا جزء بن گئیں اور اس درجہ یہ مذہب رسم ورواج سے متاثر ہوا کہ ان کے عقائد اور پوجا پاٹ کا نظام بھی اس تاثر سے محفوظ نہ رہ سکا۔اس طرح کہ ہندوستان میں آریاؤں کی آمد سے پہلے دراوڑی نسل کے لوگ آباد تھے جو ایک مظاہر پرست قوم تھی۔جب ہندو تھی برصغیر آئی تو اس مظاہر پرست قوم کے عقائد اور پوجا پاٹ سے متاثر ہوئے بغیر نہ رہ سکی اور اس طرح دراڑی نسل کے بہت کے بہت سارے بتوں اور دیوتاؤں کی پاجا پاٹ ہندو مذہب کا حصہ بن گئی جیسا کہ آج کل ہندوں میں جو ترلموتی (تین خداؤں) کا تصور ہے یعنی برہما،شواور وشنو دراصل دروڑین دیوتا ہے۔جسکی تائید خود ہندو رہنماؤں کی تحریروں سے بھی ملتی ہے۔

ہندومت اور رسم ورواج:

بدھ مت کے مقتدا اور لیڈر گوتم بدھ ہے۔یہ مذہب اصل میں ہندو مذہب کے نقائص اور عیوب کو دور کرنے کے لئے وجود میں آیا

تھا۔ گوتم بدھ نے معبودان باطلہ کی پرستش، مشرکانہ اور دیگر انسانیت سوز رسومات کو حرام قرار دیا تھا لیکن یہ مذہب بھی رسم رواج کے اثرات سے محفوظ نہ رہ سکا ہے اور جیسے جیسے مختلف ممالک اور علاقوں تک چلتا رہا۔ وہاں کے عقائد اور روایات بھی اس کا جزء بنے چلے گئے یہاں تک کہ اس میں بدھ کے خصوصی اور امتیازی عنصر کا پتہ چلانا بھی مشکل ہو جاتا۔ بدھ مت کے زوال کا سبب بھی یہاں کہا جاتا ہے کہ یہ مذہب جس ملک میں بھی گیا۔ وہاں کی روایات، عقائد اور رسوم اس کا جزء لاینفک بنتے چلے گئے۔

زرتشت مذہب پر رواج کا اثر:

اس مذہب کا بانی زرتشت تھا جس کا ظہور ۸۳ قبل مسیح میں ایسے وقت میں ہوا تھا جب ایران میں مظاہر پرستی زوروں پر تھی۔ سورج، چاند، ہوا، آگ اور درختوں کی پوجا کی جاتی تھی۔ زرتشت نے توحید کی اشاعت اور شرک کی مخالفت میں انتھک کوشش کے بعد لوگوں کو پرانے غلط عقائد اور رسم ورواج سے نجات دلائی اور خدائے واحد ''اہورمزد'' (اہور کا معنی ہے مالک اور زمزد کا معنی ہے دانا، دانا مالک یعنی اللہ تعالیٰ) کی پرستش پر ابھارا اور غلط رسوم کی تردید کر کے اخلاق کی پاکیزگی پر بھی زور دیا لیکن یہ مذہب بھی مرور زمانہ کے ساتھ تغیر اور فساد سے محفوظ نہ رہ سکا بلکہ علاقائی رسوم اور روایات کے ساتھ ضم ہوا۔ جیسا کہ مولانا ابوکلام لکھتے ہیں۔

زرتشت کا جب ظہو ہوا تو اس نے ایرنیوں کے ان قدیم عقائد سے نجات دلائی معلوم ہوتا ہے، کہ چند صدیوں کے بعد ایران کے قدیم تصورات اور بیرونی اثرات اور ساسانی عہد میں جب مزدلینا (ان کی مذہبی کتاب) کی ازسرنو تدوین ہوئی تو یہ قدیم مجوسی، یونانی اور زرتشتی منصب کا ایک مخلوط مرکب تھا اور اس کا بیرونی رنگ وروغن تو تمام تر مجوسی تصور نے ہی فراہم کیا تھا اسلام کا جب ظہور ہوا۔ تو یہی مخلوط تصور ایران کا قومی مذہبی تصور تھا۔ (ترجمان القرآن اسلامی اکیڈمی لاہور 143/1)

قانون سازی میں عرف کی رعایت:

قانون سازی کے حوالہ سے عرف اور رواج کو ایک اصل اور ماخذ کی حیثیت حاصل ہے قدیم ادوار میں تو رسم ورواج ہی کو قانونی حیثیت حاصل تھی۔ رفتہ رفتہ اگرچہ قوانین مرتب ہوئے اور عدالتیں قائم ہوئیں لیکن پھر بھی عرف کی اہمیت اور قدر ومنزلت ختم نہیں ہوئی بلکہ تاحال قوانین کی تدوین میں عرف کو ایک اہم مقام حاصل ہے۔ حکومت جب بھی کوئی قانون مرتب کرتی ہے تو رسم ورواج کو سامنے رکھتی ہے ریاست عام طور پر ایسے قوانین وضع نہیں کرتی جو رواج کے خلاف ہوں کیونکہ زمانہ دراز سے چلے آنے والے اصولوں سے لوگوں کو ہٹانا کوئی آسان کام نہیں اگر کہیں حکومت ایسے قوانین بھی تشکیل بھی دے جو رسم ورواج کے خلاف ہوں تو حکومت کو عوام کی مخالفت کا سامنا کرنا پڑتا ہے۔ اور معاشرے کے لوگ خوشی اور رضامندی سے اس کو قبول نہیں کرتے۔ اس وجہ سے جدید دور میں بھی قانونی ماہرین قانون رسم ورواج کی اہمیت تسلیم کرتے ہیں اور قانون سازی کے لئے اس کو ایک اہم ماخذ گردانتے ہیں جیسا کہ پروفیسر محمد مختار بھوانا سمجھتے ہیں۔ اور قانونی ماخذ میں رواج کی اہمیت سے انکار نہیں کیا جا سکتا ہے اور ریاست قوانین کو تشکیل دیتے وقت افراد کی رسم ورواج

کی بڑی اہمیت دیتی ہے۔(اصول قانون،ندیم لاء بک ہاؤس ص ۱۲۹)

احکام شرعیہ میں عرف کی رعایت:

عرف کی اہمیت کی سب سے بڑی نشانی یہ ہے کہ باری تعالیٰ نے ہر زمانہ اور ہر دور میں تشریع احکام کے وقت اس دور کے حالات، عادات اور رواجوں کو بھی مخفوظ رکھا۔تمام پیغمبروں کا یہ اصول رہا کہ جس قوم میں وہ معبوث ہوئے پہلے ان کی عادت اور رسم ورواج پر نظر ڈالی جو عادت عقل سلیم اور مصلحت کلیہ کے موافق دیکھی اس کو برقرار رکھا اور جو رسم ایسی نہ تھی بلکہ کسی طرح دنیاوی یا اخروی مفاسد پر مشتمل ہوتی۔تو اس قسم کی رسم کی اصلاح فرماتے۔تاریخ کی کسی دور میں ایسی نظیر نہیں ملتی کہ شریعت نے معاشرہ کے مروج احکام اور مراسم کے متعلق شمشیر بے نیام ہوکر یہ اسلوب اختیار کیا ہو۔کہ جو بات مروج دیکھی اس کو ختم کر دیا۔بلکہ ہمیشہ اس نے لوگوں کی نفسیات کو پیش نظر رکھ کر ایسا عملی جامہ تیار کیا جس میں معاشرہ کی مروج باتوں اور عاداتوں کی خصوص آمیزش موجود تھی۔چنانچہ دین اسلام نے بھی اپنے اصلاحی دور میں عربوں کی عادات اور اعراف کو پیش نظر رکھا اور اسلام سے پہلے والی مروج باتیں ایسی تھیں۔جو کسی فساد کا پیش خیمہ نہیں تھیں۔اسلام نے اسے اپنے حال پر رہنے دیا۔جیسا کہ علامت شاطبیؒ لکھتے ہیں۔"الاتری انه کان للعرب احکام فی الجاهیلیه امر ها الاسلام کماقالو، فی القراض وتقدیر الدیه وضربها علی العاقلة"الموافقات فی اصول الاحکام،دار الفکر ۱/۵۱) آیا تو دیکھتا نہیں کہ عرب کے بہت سارے احکام جو زمانہ جاہلیت میں ان کہ ہاں مروج تھے کہ شریعت نے بھی اپنے حال پر برقرار رکھا جیسا کہ مضاربت۔دیت کی مقدار اور اس کو عاقلہ پر لازم کرنے کے بارے میں علماء نے تصریح کی ہے کہ ان حکام میں عربوں کے عرف کی رعایت رکھی گئی ہے۔مضاربت،نظام عاقلہ اور مقدار دیت کے علاوہ عشر،خراج کا نظام، قسامہ(جس کا مفہوم یہ ہے کہ ایک مقتول کی لاش کسی محلّہ سے مل جائے اور اس کا قاتل معلوم نہ ہو تو مقتول کے اولیاء کے مطالبہ پر محلّہ کے پچاس آدمیوں سے اس طرح قسم لی جائے کہ نہ ہم نے اسے قتل کیا ہے اور نہ اس کے قاتل کے بارے میں ہمیں کچھ خبر ہے)عقد اجارہ اور بیع سلم کا شمار بھی ان احکامات میں ہوتا ہے۔جو اسلام سے پہلے مروج چلے آرہے تھے۔

عرف فاسد کی اصلاح:

یہاں پر حقیقت بھی پیش نظر رہے کہ شریعت اسلامیہ نے عربوں کے ہر رواج اور عرف کو اعتبار نہیں دیا بلکہ ایسے رواجوں کی اصلاح فرمائی جو جہالت اور گمراہی پر مبنی تھے یا ان میں مفاسد کے بجائے مصالح کا پہلو غالب تھا۔جیسے شراب نوشی اور قمار(جوا) کی سخت ممانعت کی باہمی لوٹ مار کو ختم کیا سود کو حرام قرار دیا اور خرید وفروخت کی ان تمام شکلوں سے بھی روک لیا جن میں کسی قسم کا غرر اور دھوکہ شامل تھا یا جن میں کسی ایک فریق کی رضامندی مفقود ہوتی۔

حاصل یہ کہ شریعت اسلامیہ نے عربوں کے صرف اچھے رواجوں کو قبول کیا اور کسی معاشرے کی اچھی باتوں کو قبول کرنا کسی بھی صورت

میں قابل اعتراض نہیں بلکہ ستائش اور قابل اعتراف ہے۔

عرف شریعت کے تناظر میں:

(ا) دلائل شرعیہ سے عرف کے معتبر ہونے کا ثبوت: اگر چہ ایک با قابل انکار حقیقت ہے فقہی مسائل کی اصل بناء تو قرآن وحدیث یا ان سے استنباط پر ہے لیکن پھر بھی ایک محدود دائرے کے اندر شریعت نے سوسائٹی کے رسم ورواج کو بھی اعتبار دیا ہے۔ جس کی تائید قرآن وحدیث، اجماع اور قیاس تمام دلائل شرعیہ سے ملتی ہے۔

قرآن سے تائید:

(ا) بعض فقہاء کرام نے عرف کے معتبر ہونے کے لئے سورۃ اعراف کی آیت "خذ العفو وأمر بالعرف واعرف عن الجاهلين" درگزر کر اور نیکی کا حکم دے اور جاہلوں سے الگ رہ) استدلال کیا گیا ہے اگر چہ اس آیت میں لفظ عرف اپنے لغوی معنی میں استعمال ہوا ہے یعنی ہر وہ چیز جس کو عقل پسند کرتی ہو لیکن پھر بھی اس سے عرف کے اصطلاحی معنی پر روشنی پڑتی ہے کیونکہ عرف اصطلاحی جو جمہور کی عادت کا نام ہے بھی عقل سلیم والوں کے نزدیک پسندیدہ اور مقبول ہوتا ہے۔

(ب) بیویوں کے نفقہ اور خرچہ کے بارے میں ارشاد خداوندی ہے۔

"وعلى المولود له رزقهن وكسوتهن بالمعروف" (سورة البقره ۲۳۳) باپ پر دودھ پلانے والی عورتوں کا کھانا اور لباس دستور کے مطابق لازم ہے۔ اس آیت سے عرف کے معتبر ہونے کی تائید اس طرح ملتی ہے کہ اس میں شوہر کے ذمہ بیویوں کا نفقہ تو واجب قرار دیا لیکن اس کو کوئی تعیین نہیں کی بلکہ اس کو لوگوں کے عرف عادت پر چھوڑ دیا کہ معاشرہ میں اس حیثیت والے شخص کی طرف سے جتنے نفقہ دینے کا رواج ہو جیسے لباس اور طعام مہیا کرنے کی عادت وہی معروف مقدار اس شوہر کے ذمہ بھی لازم ہوگی۔

احادیث اور آثار سے ثبوت:

(ا) ایک دفعہ حضرت امیر معاویہؓ کی والدہ نے آپؐ سے پوچھا یا رسول اللہ ﷺ ابوسفیانؓ ایک بخیل آدمی ہے (ہمیں صحیح خرچہ نہیں دیتا) تو کیا میں اس کے مال میں سے چھپکے سے لے سکتی ہوں آپؐ نے فرمایا: خذی انت وبنیک ما یکفیک بالمعروف (محمد بن اسماعیل البخاری صحیح البخاری قدیمی کتب خانه ج ۱/۱۹۴). یعنی تم اتنا مال لیا کرو جو تمہیں کافی ہو دستور کے مطابق۔

تو اس قصہ میں چونکہ حضرت ہندہ کو اتنا مال لینے کی اجازت دی گئی، جو اس وقت کے عرف اور رواج کے مطابق ایک ماں بیٹے کا خرچہ تھا اس لئے بعض علماء کرام نے اس روایت سے بھی عرف کے معتبر ہونے پر استدلال کیا ہے۔

(ب) حضرت عبداللہ بن مسعود کا اثر ہے۔ "ما رآه المسلمون حسنا فهو عند الله حسن" (رواه احمد موقوفا في مسند احمد بن حنبل، دار احياء التراث العربي ج ۱/۶۲۶) جس چیز کو مسلمان اچھا سمجھیں وہ اللہ کے ہاں بھی اچھی ہے۔ لہذا رائج امر جس کو لوگوں

نے مستحسن سمجھ کر رائج کیا ہے۔ اللہ تعالیٰ کے ہاں بھی مستحسن ہوگا۔ اور اللہ کے ہاں اچھا ہونا اس کے حق اور معتبر ہونے کی دلیل ہے۔

(ج) عرف کے معتبر ہونے کے ایک دلیل حضرت قاضی شریحؒ کا اثر ہے کہ ایک مرتبہ کپڑا بنانے والے کچھ لوگ اپنا کوئی جھگڑا اور اختلاف قاضیؒ کے پاس لائے اور یہ وضاحت کی کہ آپ کے معاملات میں ہماری عادت یوں یوں ہے تو قاضی صاحب نے جواب دیا "سنتکم بینکم" کہ آپ کے معاملات میں تمہارا جو طریقہ ہے اس رائج طریقے کو لازم پکڑو۔ (رواہ محمد بن اسماعیل البخاری تعلیقا، صحیح بخاری قدیمی کتب خانہ ۱/۱۹۴)۔ تو قاضی شریحؒ نے غزالین کے خاص عرف کو معتبر سمجھا اور اسی کے مطابق ان کو معاملہ کرنے کا حکم دیا۔

عرف کے معتبر ہونے پر اجماع:

عرف کے قابل اعتبار ہونے پر بعض علماء کرام نے اجماع عملی کو دلیل میں پیش کیا ہے۔ اس طرح کہ استصناع اور اجارہ حمام جیسے مسائل اگرچہ قیاس کی رو سے ناجائز ہونے چاہئے لیکن پھر بھی عام تعامل کی وجہ سے کسی نے بھی اس پر نکیر نہیں کی ہے۔ گویا دلالۃ عرف اور تعامل کے معتبر ہونے پر فقہاء کا اجماع قائم ہوگیا ہے۔

دلیل معقول اور قیاس:

عرف کے معتبر ہونے کے لئے عقلی دلیل یہ ہے کہ عام طور پر سوسائٹی میں رائج عرف کسی نہ کسی مصلحت اور حاجت پر مبنی ہوتا ہے اور لوگوں کے مصالح کی رعایت شریعت اسلامیہ کی ایک امتیازی خصوصیت بھی ہے اس لئے عقل اس بات کا تقاضا کرتی ہے کہ لوگوں کا عرف اور عادت جو مصالح پر مشتمل ہوتا ہے شریعت کے ہاں معتبر ہو۔

عرف کے معتبر ہونے کے شرائط:

فقہاء کرام نے عرف کے معتبر ہونے کے لئے چار شرائط بیان فرمائی ہیں۔

پہلی شرط: عرف خواہ عام ہو یا خاص دونوں صورتوں میں اس کے معتبر ہونے کے لئے ضروری ہے کہ وہ اکثر لوگوں میں مشہور اور معمول بہ ہو۔ پہلی عرف عام کا تمام بلاد اسلامیہ کے لوگوں میں رائج ہونا ضروری ہے جبکہ دوسری صورت میں اس خاص شہر یا جماعت کے اکثر لوگوں میں معمول بہ ہونا شرط ہے لہذا معاملات اور حقوق مطلقہ کی تعیین میں عرف مشترکہ (جس کے کرنے اور نہ کرنے والے برابر ہوں) کی حاکمیت تسلیم نہیں ہوگی۔

دوسری شرط: عرف کے قابل اعتماد ہونے کے دوسری بنیادی شرط یہ ہے کہ عرف جس معاملہ میں حکم کی اساس بنایا جارہا ہے اس معاملہ کے وقت وہ عرف موجود بھی ہو جو عرف معاملہ کے بعد وجود پذیر ہوا ہو یا پہلے چلا آرہا ہو لیکن معاملہ کے وقت ختم ہو چکا ہو۔ ایسے عرف کو اس معاملہ میں حکم کی بنیاد قرار دینا درست نہیں۔ اور اسی شرط کی بنیاد پر فقہاء کرام نے یہ تصریح فرمائی ہے کہ طلاق، وقف۔ حلف، نذر،

وصیت اور دوسرے دیگر معاملات میں متعاقدین کے کلام کی تشریح اس وقت موجود عرف کے مطابق کی جائے گی۔ نہ تو قدیم عرف جو اس تصرف کے وقت تبدیل ہو چکا ہو۔ ان میں موثر ہوگا۔ اور نہ بعد میں پیدا ہونے والے عرف کو ان میں کوئی دخل ہوگا۔

تیسری شرط: عرف کے معتبر ہونے کیلئے تیسری شرط یہ ہے کہ وہ متعاقدین کی تصریح کے خلاف نہ ہو ورنہ ایسی صورت میں متعاقدین کی تصریح شدہ شرط ہی کی رعایت رکھنی ضروری ہے جیسے کسی شہر میں ثمن کی قسطوار ادائیگی کا تعامل اور عرف قائم ہو لیکن بائع اور مشتری کے درمیان طے یہ ہو جائے کہ ثمن کی ادائیگی فوری ہوگی۔ تو ایسی صورت میں عرف اور تعامل پر عمل نہیں ہوگا۔ بلکہ طے شدہ شرط ہی کی رعایت رکھی جائے گی۔

چوتھی شرط: عرف کے قابل اعتبار ہونے کے لئے چوتھی شرط یہ ہے کہ وہ کسی نص شرعی سے متصادم اور متعارض نہ ہو اگر کہیں کسی نص شرعی یعنی قرآن وحدیث کے ساتھ عرف اور تعامل کا تعارض آجائے تو نص ہی قابل عمل رہے گا۔

فوائد اور حکمتیں:۔

(ا) عرف کو اعتبار دیتے ہوئے بنیادی فائدہ اور مصلحت یہ ہے کہ لوگوں کے لئے شرعی مسائل پر عمل پیرا ہونے میں سہولت اور آسانی کی راہ ہموار ہو۔ کیونکہ لوگ اپنی معاشرتی زندگی اور معاملات وغیرہ میں اپنے عرف کے مقتضی پر عمل پیرا ہوتے ہیں۔ تو ایسی صورت میں عرف کو مطلقاً رد کرنا عقل کے بھی منافی ہے اور اسلام کے فلسفہ یسر کے بھی خلاف ہے۔ جیسے آج کل اجارہ کی بہت ساری صورتیں ایسی ہیں۔ جن میں اجرت اور وقت کی تعیین صراحۃ نہیں ہوتی بلکہ اس میں رائج عرف پر اعتماد کر دیا جاتا ہے۔ اس طرح خرید وفروخت کی کئی صورتیں ایسی ہیں جن میں ثمن کی تعیین یا ثمن کے قسطوار اور فوری ہونے کو لوگوں کے عرف پر چھوڑ دیا جاتا ہے۔ تو اجارہ اور خرید وفروخت کی ان تمام صورتوں میں یا اس جیسے دوسرے مواقع پر عرف کو اعتبار دیتے ہوئے عقد کو درست قرار دینا سہولت اور آسانی کا حامل ہے۔ جبکہ عرف کو رد کرتے ہوئے ان معاملات کو باطل قرار دینا خرج نہ ہوگی اور مشقت کا ذریعہ ہے۔

(ب) معاشرتی ترقی کا ذریعہ: شریعت کی طرف اور عادت کو اعتبار دینا معاشرتی ترقی کا ایک ذریعہ بھی ہے یعنی شریعت اسلامیہ پر چل کر ترقی کے مختلف مراحل طے کرنا تب ممکن تھا جب لوگوں کے تعامل سے صرف نظر نہ کیا جاتا اگر شریعت اور عادت کو بالکلیہ رد کر دیتا ہے تو یا اسلامی معاشرہ کی ترقی اور ارتقاء رک جاتی اور معاشرہ حرکت کی بجائے جمود کا شکار ہو جاتا ہے۔ اور یا یہ کہ سرے سے اسلامی مذہب ہی معاشرتی زندگی سے کٹ جاتا۔ جیسا کہ دوسرے مذہب باطلہ یورپ کے ارتقائی دور کے ہمراہی میں سفر کی طاقت نہ رکھنے کی وجہ سے معاشرہ سے لاتعلق ہو گئے۔

(ج) اسلام کا عالمگیر مذہب ثابت ہونا اسلام کے دوسری خصوصیات کے ساتھ عرف کو اعتبار دینا بھی ایک ایسی خصوصیت ہے کہ جس کے پیش اہل اسلام ہی دعوی کر سکتے ہیں کہ دین اسلام ایک عالمگیر مذہب ہے اس کی تعلیمات ایک خاص دور اور ایک مخصوص خطے کے لئے نہیں بلکہ ہر دور ہر خطے اور زندگی کے ہر شعبے کے ساتھ مناسب ہے۔ جبکہ دوسرے مذاہب اس بات کا عملی ثبوت دینے سے قاصر

ہیں۔مثلاً شریعت نے والد کے ذمہ بچوں کا نفقہ واجب کیا اور اس کی تحدید کو عرف اور عادت پر چھوڑ دیا کیونکہ تحدید کی کوئی ایسی صورت نہیں تھی جو ہر زمانہ ہر خطے کے ساتھ مناسب ہو۔

عرف کا دائرہ کار:

یہ بات اپنی جگہ درست ہے کہ احکام شرعیہ میں عرف اور تعامل کی کسی نہ کسی درجہ میں اہمیت تسلیم کی گئی ہے لیکن اس حقیقت سے بھی انکار کرنا مشکل ہے کہ عرف ہر جگہ موثر نہیں ہوتا بلکہ اسلام کے بنیادی اصول یعنی عقائد اور عبادات اور زندگی کے دوسرے شعبوں میں وارد ہونے والی نصوص عرف کے دائرہ اثر سے مستثنیٰ ہیں۔کیونکہ اسلام کے بنیادی اصول کسی ایک علاقے یا ایک زمانہ کے ساتھ خاص نہیں بلکہ ہر علاقہ سے مناسب اور ہر دور میں قابل عمل کسی بھی دور میں ان میں تبدیلی آسکتی ہے اور نہ تغیر کا تصور ہوسکتا ہے۔کیونکہ یہ اساسی اصول اس لئے نہیں کہ زمانہ کے ساتھ بدل جائیں اور وقت گزرنے کے ساتھ اپنی اصلیت کھو بیٹھے بلکہ وہ تو اس لئے ہیں کہ فساد زمانہ اور تغیر پر اپنی گرفت رکھے اور ہر زمانہ کے لوگوں کے لئے انسانی اخلاقی اور عملی راہ کا تعین کرے۔

منصوصی احکام کا متاثر نہ ہونا:

عرف جب کسی منصوص حکم کے مخالف ہو جائے تو اگر مخالفت کو صورت یہ ہو کہ جس چیز پر لوگوں کا تعامل ہے اس خاص صورت کے خلاف نص وارد ہوئی ہو جیسے سود، شرب نوشی اور دیگر محرمات کے خلاف شرعی نصوص وارد ہوئی ہیں۔ایسی صورت میں عرف کے مقتضی پر عمل کرنا جائز نہیں ہوگا۔کیونکہ عرف کے مقتضی پر عمل کرنا نص کے ابطال اور ترک کو مستلزم ہے۔

اگر مخالفت کی صورت یہ ہو کہ جس چیز پر لوگوں کا تعامل ہے خاص اس صورت کے خلاف تو نص وارد نہ ہو لیکن وارد ہونے والے نص میں ایسا عموم ہو۔جو رائج صورت میں عرف پر عمل کرنے سے نص کا بالکلیہ ابطال اور ترک تو لازم نہیں آتا ہے۔لیکن یہ عمل نص کی تخصیص اور بعض افراد کے ترک کو مستلزم ہے لیکن عرف کی وجہ سے آیا یہ تخصیص جائز ہے یا نہیں اس میں ذرا تفصیل ہے جس کا حاصل یہ ہے کہ عرف نص عام سے متعارف (ملا ہوا) ہو وہ اس عام نص کی تخصیص کا سبب ہوگا۔عرف قولی میں کوئی اختلاف نہیں جبکہ عملی میں شوافع اور بعض مالکیہ نے جمہور سے اختلاف کیا ہے یعنی ان کے ہاں عرف عملی سے نص کی تخصیص جائز نہیں۔اگر عرف نص سے مقارن نہ ہو یعنی نص کے بعد وجود پزیر ہوا تو ایسی صورت میں اگر یہ حادث عرف قولی ہو تو اس کے ذریعے نص کی تخصیص کے عدم جواز میں کوئی کلام نہیں کیونکہ نصوص شارع یعنی قرآن وسنت کے مفہوم اور معانی کی تعیین اس وقت کے عرف کے مطابق ہوگی۔بعد میں بننے والے عرف کو ان کے مفہوم کے متعین ہونے میں کوئی دخل نہیں البتہ اگر عرف حادث عمل اور تمام بلاد اسلامیہ میں ایسی طور پر رائج ہو کہ کسی نے بھی اس پر نکیر نہ کی ہو تو وہ بھی اجماع عملی کے درجہ میں ہونے کی وجہ سے نص کے لئے مخصص بن جائے گا ورنہ عام طور عملی کے ساتھ نص عام کی تخصیص جائز نہیں ہوگی۔

عقائد اور عبادات کا استثناء:

منصوصی احکام کی طرح عقائد اور عبادت پر بھی عرف اثر انداز نہیں ہوتا کہ عرف کی وجہ سے نہ تو وہ عقائد اور عبادت کسی قسم کے تغیر کا شکار ہوسکتا ہے جو شرعاً ثابت ہے نہ رائج کسی چیز کے عبادت ہونے یا نئے عقیدے کا سبب ہوسکتا ہے کیونکہ عقائد یعنی اللہ تعالیٰ کی ذات وصفات اور معاد (آخرت) وغیرہ کے بارے میں وہی تصور قابل قبول رہتا ہے جو اللہ تعالیٰ کے کسی نبیؑ کا پیش کیا ہوا ہو اور اس طرح اللہ تعالیٰ کے عبودیت کا صرف وہی طریقہ محمود رہے گا۔ جو اللہ تعالیٰ نے خود مشروع کیا ہو۔ ایسا اعتقاد یا اللہ تعالیٰ کی عبودیت کا وہ طریقہ جو قرآن وحدیث سے ثابت نہ ہو اور صرف لوگوں کے رسم ورواج سے اس کی تائید ملتی ہو باطل اور مردود ہے۔

یہی وجہ ہے کہ شریعت اسلامیہ نے عبادت کے ان تمام غلط طریقوں کی نشاندہی کی جو عرب معاشرے میں رائج تھے اور ان رواجوں کو بالکلیہ رد کرلیا جن کی بنیاد اعتقاد فاسد پر تھی اور یہ اس بات کی واضح دلیل ہے کہ عقائد اور عبادات میں رسم ورواج کی کوئی حیثیت نہیں بلکہ ان کا اصل مدار شارع سے ثبوت پر ہے۔ لہذا اگر کسی سوسائٹی میں ایسا اعتقاد رواج پالے جس کا کوئی ثبوت شارع سے نہ ملتا ہو یا عبادت کا ایسا طریقہ پھیل جائے جس پر شریعت کی طرف سے کوئی تصریح وارد نہ ہوئی ہو وہ اعتقاد فاسد اور بدعت کے زمرے میں آئے گا۔ کیونکہ بدعت اس طریقے کو کہا جاتا ہے۔ جو شریعت کے کسی اصل سے ثابت اور اسے عبادت اور ثواب سمجھ کر کرتے ہوں۔

معاشرتی زندگی اور معاملات پر اثرات:

عقائد، عبادات کے علاوہ انسان کی معاشرتی زندگی اور معاملات سے متعلق اکثر مسائل میں لوگوں کی عادت اور رسم ورواج کو ایک اصل اور اساس کی حیثیت حاصل ہے۔ فقہاء کرام نے معاشرتی زندگی اور معاملات سے متعلق غیر منصوص مسائل میں عرف اور تعامل کی حاکمیت کو اس درجہ تک تسلیم کیا ہے کہ عرف کی وجہ سے وہ قیاس اور ظاہر الروایہ کو بھی ترک کردیتے ہیں۔ البتہ یہاں یہ بات پیش نظر رہے کہ قیاس کے ترک اور علت کی تخصیص کے لئے عرف عام کا ہونا ضروری ہے عرف خاص کی وجہ سے قیاس سے عدول جائز نہیں ہاں بعض حضرات کی رائے کے مطابق عرف خاص بھی قیاس سے ترک اور نص کی تخصیص کا ذریعہ بن سکتا ہے اور یہ رائے بلخ اور خوارزم کے مشائخ کی ہے۔ جنہوں نے اپنے شہر کے تعامل (عرف خاص) کی وجہ سے اجارہ حائک میں جواز کا فتویٰ دیا ہے۔ اس مسئلہ کی تفصیل یہ ہے کوئی شخص حائک کو کپڑا بننے کے لئے ثلث یا ربع کے بدلے کا تاہوا سوت دے یعنی جائز نہیں ہونی چاہئے کیونکہ آپ نے قفیز طحان سے منع فرمایا ہے قفیز طحان کا معنی یہ ہے کہ ایک آدمی طحان (آٹا پیسنے والے) شخص کو گندم وغیرہ پیسنے کے لئے دے اور پسے ہوئے غلہ یعنی آٹا ہی میں سے ایک قفیز (خاص پیمانہ سے) مزدوری مقرر کرنے اور حدیث میں نہی کی علامت ہے کہ اجیر (مزدور) کے عمل سے حاصل ہونے والی چیز کے ایک حصہ کو اجرت قرار دیا گیا ہے اور یہ علامت چونکہ اجارہ حائک میں بھی موجود ہے اس لئے قیاس کی رو سے اجارہ حائک بھی ناجائز ہونا چاہئے لیکن مشائخ بلخ وخوارزم نے اپنے شہر کے تعامل کی وجہ سے اس صورت کو جائز کہا ہے البتہ جمہور فقہاء عدم جواز پر

فتویٰ دیتے ہین اس لئے کہ عرف خاص ہے اور عرف خاص کی وجہ سے قیاس کا ترک جائز نہیں۔ حلاصہ یہ کہ عرف اور تعامل اگر عام ہو تو اس کے ذریعے بالاتفاق قیاس کو ترک کیا جائے گا۔ جبکہ صرف عرف خاص کی وجہ سے صرف بعض حضرات کے ہاں قیاس کو چھوڑنا جائز ہے۔

اگر عرف اور مجتہد کے کسی اجتہاد کا باہمی تعارض آجائے جیسے عرف ظاہر الروایہ کے ایسے قول سے متصادم ہو جس کی بناء کسی نص صریح پر نہ ہو۔ بلکہ اجتہاد کے ذریعہ مستنبط کیا گیا ہو تو ایسی صورت میں عرف ہی کو ترجیح حاصل ہوگی عرف اور تعامل خواہ عام ہو یا خاص اس کے ذریعہ مجتہد کے اجتہاد اور ظاہر الروایہ کے قول کو ترک کیا جائے گا کیونکہ مجتہد مسائل کے استنباط کے وقت اپنے زمانہ کے عرف اور تعامل کو بھی پیش نظر رکھتا ہے۔ اور بسا اوقات وہ اپنے زمانے کے عرف اور حالات کے لحاظ سے ایک حکم کی تصریح کر دیتا ہے اور بعد والے زمانے میں عرف بدلنے کی وجہ سے فقہاء کرام اس حکم کے خلاف فتویٰ صادر کر دیتے ہیں کیونکہ مجتہد کے ساتھ بھی اگر بعد والے زمانے کا عرف اور تعامل موجود ہوتا تو وہ بھی اسی کے مطابق حکم لگا دیتے ہیں یہی وہ نکتہ ہے جس کی وجہ سے فقہاء کرام نے تصریح فرمائی ہیں کہ عرف بدلنے کی وجہ سے احکام تبدیل ہوتے رہتے ہیں۔ چنانچہ فقہ کی کتابوں میں بہت سارے مسائل اور جزئیات ایسے ملتے ہیں جن میں متاخرین نے صرف عرف بدلنے کی وجہ سے متقدمین فقہاء کے قول سے اختلاف کیا ہے۔ جیسا کہ گھروں میں خیار رویۃ ساقط ہونے کا مسئلہ ہے کہ اس کے بارے میں ائمہ ثلاثہ (امام صاحب اور صاحبین) کا قول یہ تھا کہ گھر کے صحن اور کمروں کا ظاہری حصہ دیکھنے سے خیار رؤیۃ ساقط ہو جائے گا۔ کیونکہ ان کے زمانہ میں لوگوں کا عرف یہ تھا کہ گھر ایک نہج اور طرز پر بنایا جاتا تھا۔ صرف چھوٹے بڑے یا نئے پرانے کا فرق ہوتا تھا۔ لیکن جب یہ عرف تبدیل ہوا یعنی ایک گھر کی طرز پر تعمیر دوسرے گھر سے مختلف ہونے کی عادت بن گئی تو اس وقت مشائخ نے ائمہ ثلاثہ کے قول سے رجوع کر کے امام زفرؒ کے قول (کہ خیار رؤیۃ ظاہر اور باطن دیکھنے سے ہی ساقط ہوگا۔) پر فتویٰ دیا اور آج کل اسی قول پر فتویٰ ہے۔ گذشتہ سطور میں اس مسئلہ کی تفصیل تھی کہ قیاس اور ظاہر الروایہ کے مقابلے میں عرف کو ترجیح حاصل ہوگی۔ آئندہ سطور میں عرف کے دونوں قسموں عرف قولی اور عرف عملی کے اثرات کا بیان ہوگا۔

عرف قولی کے اثرات:

عرف قولی ان تمام احکام میں اثر انداز ہوتا ہے جن کا تعلق قول اور لفظ سے ہو جیسے اقرار، یمین، نذر، وقف طلاق اور عقود وغیرہ میں متکلم اور عاقد کا کلام عرفی معنی ہی پر محمول کیا جائے گا۔ کیونکہ ہر متکلم اپنے کلام سے اسی معنی کا قصد کرتا ہے۔ جو ان کے ہاں متعارف اور مشہور ہو اور وہی متعارف معنی اس کے کلام سے مراد لیا جاتا ہے لہذا عرف کو نظر انداز کرتے ہوئے کلام لغوی اور حقیقی معنی پر محمول کرنا صحیح نہیں ہوگا اس لئے کہ بہت کم لوگ لغوی حقیقتوں اور باریکیوں سے باخبر ہوتے ہیں۔ فقہاء کرام اور آئمہ اصول نے بھی اس بات کی تصریح فرمائی ہیں۔ کہ عرف کی دلالت کی وجہ سے حقیقت کو ترک کیا جاتا ہے یعنی جب حقیقی معنی کے علاوہ کوئی اور معنی لوگوں میں متعارف ہو جائے تو وہ عرفی معنی حقیقت بن جاتا ہے اور حقیقی معنی اس کی نسبت سے مجاز کی صورت اختیار کر لیتا ہے۔ جس کی وجہ سے وہ متکلم کے کلام کا مصداق اور مراد ہونے میں قرینے کا محتاج ہوتا ہے جبکہ عرفی معنی (جو حقیقت عرفیہ کہلاتا ہے) بغیر کسی قرینہ کے متکلم کے کلام کا مصداق ٹھہراتا ہے

لہٰذا تمام عقود وتمام تصرفات میں متکلم کے کلام کو متعارف معنی پر محمول کرنا ضروری ہے مفتی اور فقیہ کی بھی یہ ذمہ داری بنتی ہے کہ وہ ایمان، نذر، وصیت، اقرار اور اطلاق وغیرہ میں صرف فقہاء کرام کی ظاہری عبارات پر جمود اختیار نہ کرے بلکہ پوچھنے والے لوگوں کے عرف اور عادت کو بھی فتوی کے وقت ملحوظ رکھے۔

عرف عملی کے اثرات:

فقہائے کرام کی عبارات اور نصوص میں غور کرنے سے یہ بات واضح ہوتی ہے کہ انسان کی معاشرتی زندگی اور معاملات پر عرف عملی بھی کافی حد تک اثر انداز ہوتا ہے چنانچہ بہت سارے مقامات میں ایک عام اور مطلق کلام کو خاص اور مقید معنی پر محمول کیا جاتا ہے جیسے ایک آدمی دوسرے شخص کو گوشت یا روٹی خریدنے کا وکیل بنائے تو مؤکل کے اس مطلق کلام کو معتاد اور معتارف صورت کے ساتھ مقید کیا جائے گا۔ یعنی شہر میں جس قسم کی روٹی اور گوشت استعمال کرنے کی عادت ہو آمر اور مؤکل کا کلام اس کے ساتھ خاص ہوگا۔ لہٰذا وکیل کو مطلق امر کے پیش نظر یہ جواز حاصل نہیں کہ وہ اس کے لئے معتاد روٹی یا گوشت خرید لائے۔ مثلاً آج کل کے عرف کے اعتبار سے اگر وہ اونٹ کا گوشت یا چاول کی روٹی خریدے تو یہ موکل کے امر کی ممانعت شمار ہوگی۔ اس طرح کئی ساری چیزیں ایسی ہیں جن کے ساتھ شریعت کا حکم تو متعلق ہوتا ہے۔ لیکن شارع کی طرف سے اس کی کوئی تحدید منقول نہیں ہوتی تو اس کی تحدید اور تعیین کے لئے بھی فقہاء کرام عرف کی طرف رجوع کرتے ہیں جیسے قبضہ کی حقیقت جاننے اور دوسرے کئی امور کی تحدید میں طرف عملی کو اصل مرجع قرار دیا گیا ہے۔

اس طرح معاملات میں ایک خاص جہت کی تعیین کے لئے بسا اوقات عرف عملی ہی کو اصل اور اساس کہلایا جاتا ہے جیسے عقد معاوضہ میں عاقدین کے سکوت کی وقت ثمن یا اجرت کے ادھار اور نقد ہونے کا فیصلہ شہر کے عرف کے مطابق کیا جاتا ہے۔ ایسے ہی خرید وفروخت میں جن جن توابع کا مبیع کے ساتھ دینے کا رواج ہو۔ وہ عاقدین کی تصریح کے بغیر عقد بیع میں مبیع کے ساتھ داخل ہوتے ہیں۔

اس طرح واجبات مطلقہ جیسے پنواری، سمسار (دلال) کی اجرت، مزدوروں کے کھانے پینے کا انتظام عمل کے آلہ مہیا کرنے اور اس طرح کے دیگر توابع کے التزام میں لوگوں کے تعامل اور عرف ہی کو اصل قرار دیا جاتا ہے۔ العرض کئی مواضع میں فقہاء کرام عرف عملی کی طرف رجوع کیا ہے۔

آئمہ مجتہدین اور عرف:

تقریباً تمام مذاہب کے فقہاء کرام اور آئمہ عظام کا اس بات پر اتفاق رہا ہے کہ احکام شرعیہ اور مسائل فقہیہ میں عرف اور تعامل بھی ایک اصل اور مرجع کی حیثیت رکھتا ہے۔ چنانچہ یہاں مختلف مذاہب کے فقہاء کے حوالہ سے عرف کی اہمیت پر مختصراً بحث کی جائیگی۔

آئمہ احناف اور عرف:

سابقہ صفحات میں زیادہ تر بحث چونکہ فقہ حنفی کے حوالے سے تھی اس لئے یہاں صرف فقہاء احناف کی ان تصریحات کے ذکر کرنے پر اکتفاء کیا جاتا ہے جو قواعد کلیہ کی حیثیت رکھتی ہیں۔

(i)المعروف کا لمشروط: یعنی جو چیز لوگوں میں معروف اور معتاد ہو وہ ایسا ہے کہ عقد اس کی شرط لگائی ہو فقہ کی اکثر کتابوں میں اس قاعدہ کی تصریح ملتی ہیں۔فقہ حنفی کے مشہور کتاب ''الھدایہ'' میں ان ہی الفاظ کے ساتھ یہ قاعدہ ذکر ہوا ہے اور کتاب المبسوط میں المتعارف کالمشروط اور الثابت بالعرف کالثابت بالشرط جیسے الفاظ کے ساتھ ذکر کیا گیا ہے۔(علامہ مرغینانی ''الھدایہ مکتبہ علمیہ ۸۷/۲۳ شمس الائمہ السرخسی،مبسوط دارالکتب العلمیہ ۱۴/ ۴۸،۲۵) اور یہ ایک ایسا وقت ہے جس پر کئی مسائل متفرع ہوتے ہیں جیسے دلال اگر بائع کو اپنی طرف سے ثمن ادا کرتے تو مشتری پر اس کو رجوع کا حق حاصل ہوگا۔کیونکہ عرف یہی ہے کہ دلال اپنی طرف سے ثمن ادا کرنے کے بعد مشتری سے وصول کر لیتا ہے۔

(ii)التعیین بالعرف کا لتعیین بالنص: یعنی عرف کے ذریعے امر کی تعیین زبان کی تصریح اور تعیین کی طرح ہے۔جیسے کوئی شخص دارا ہم کے ساتھ کوئی چیز خریدے اور عقد کے وقت زبان دراہم کی تعیین نہ ہو کر کہ کونسے دارا ہم ادا کرے گا۔تو شہر کا غالب اور متعارف سکہ لذات خود متعین ہوگا۔(المبسوط للسرخسی ۴/ ۵۲ اور مجلة الاحکام المادة ۴۵).

(iii)الثابت بالعرف ثابت بدلیل شرعی: یہ مبسوط للسرخسی کی عبارت ہے جس کا مطلب یہ ہے کہ جو بات ثابت عرف سے ثابت ہو وہ ایسی ہے جیسے کہ شرعی دلیل اور نص سے ثابت ہو جیسے نص میں جن اشیاء کی مکیلی اور موزونی ثابت ہونا نص شرعی سے ثابت ہونے کی طرح ہوگا۔لہذا استقراض اور متبادلہ جنس کی صور میں صرف عرفی پیانہ قابل اعتبار رہے گا۔دوسرے پیانہ سے عقد صحیح نہیں ہوگا۔(المبسوط للسرخسی ۱۳/ ۳)

(iv)مبنی الایمان علی العرف: یعنی ایمان کی بناء عرف اور عادت پر ہے۔یہ قائدہ ہدایہ میں ان ہی الفاظ سے موجود ہے اور علامہ ابن نجیمؒ نے یہ '' قائدہ الایمان مبنیةعلی العرف لاعلی الحقائق اللغویة''(ایمان کی بناء عرف پر ہے لغوی حقیقتوں پر نہیں)کے الفاظ سے نقل کیا ہے۔(الاشباہ والنظائر مع شرحہ للحوی ۱/ ۲۸۴)

آئمہ شوافع اور عرف:

فقہاء شوافع نے بھی کافی حد تک عرف کی حاکمیت اور احکام کے لئے اس کے اساس ہونے کو تسلیم کیا ہے۔جیسا کہ علامہ جلال الدین السیوطیؒ نے الأشباہ والنظائر میں لکھتے ہیں۔''اعلم ان اعتبار العادة والعرف رجع الیه فی الفقه فی مسائل لا تعد کثرة'' (الاشباہ والنظائر فی قواعد فقه الشافعیه ، دارالکتب العلمیه ۱/ ۱۹۳).

اور علامہ ابن حجر عسقلانیؒ قاضی حسن الشافعیؒ کے حوالہ سے لکھتے ہیں۔''ان الرجوع الی العرف احد القواعد الخمس التی ینبی علیها الفقه '' (فتح الباری ، شرح صحیح البخاری دارالفکر ، ۵/ ۱۵۴) یعنی عرف کی طرف رجوع کرنا،ان پانچ قواعد میں سے ایک ہے جو فقہ اسلامی کی بناء اور اساس قرار دیے جاتے ہیں۔باقی چار قواعد یہ ہیں: الضرر یزال (ضرر دور کیا جائے

گا)"المشقة تجلب التيسير" (مشقت آسانی کو لاتی ہے)" لايرفع يقين بشک" (یقین شک سے رفع نہیں ہوتا) " والامور تبع المقاصد" (تمام امور نیت اور مقصد کے تابع ہوا کرتے ہیں۔)

اس طرح فقہاء شوافع نے یہ تصریح فرمائی ہیں کہ ہر وہ چیز جس کو شریعت نے مطلق چھوڑا ہو نہ شرع میں اس کے لئے کوئی تحدید ہو اور نہ لغت میں تو اس میں عرف کی طرف رجوع کیا جائے گا۔ جیسا کہ علامہ نوویؒ حدیث ہند سے چند مسائل مستنبط کرتے ہوئے لکھتے ہیں۔

"منها اعتماد العرف في الامور التي ليس فيها تحديد شرعي" (شرح النوويؒ على صحيح المسلم، دار الفكر، ۸/۱۲) یعنی ان امور میں جن میں کوئی شرعی تحدید نہ ہو عرف پر اعتماد کیا جائے گا۔

اسی وجہ سے حضرات شوافع نے نماز کے دوران عمل کثیر یا کلام کثیر کی تحدید میں اور مقادیر جیسے حیض، طہر اور اکثر مدت حمل کی تعیین کے لئے عرف کی طرف رجوع کیا ہے اس طرح ان کے ہاں احیاء، موات، قبضہ اور غصب کی حقیقت، دولت کی حفاظت اور عاریت سے انتفاع کا طریقہ کار عرف ہی سے متعین ہوگا۔

تنبیہ: بیع معاطاۃ (اس عقد بیع کو کہتے ہیں جس میں لفظی ایجاب وقبول کے بغیر بائع اور مشتری کے درمیان عقد تام ہو جاتا ہے۔) اگر چہ لوگوں کا عرف اور تعامل قائم ہے اور عرف میں اس کو بیع سمجھا جاتا ہے۔ لیکن شوافع کے صحیح مذہب کے مطابق بیع معاطاۃ صحیح نہیں ہاں بعض شوافع نے جیسے علامہ نوویؒ نے جمہور کے طرح اس کے جواز کو ترجیح دی ہے۔ چنانچہ فرماتے ہیں کہ بیع معاطاۃ (شوافع کے) صحیح مذہب کے مطابق بیع نہیں اور امام مالکؒ فرماتے ہیں کہ ہر اس طریقہ سے انعقاد بیع ہو جاتا ہے۔ جس کو لوگ بیع سمجھتے ہوں۔ (امام نوویؒ فرماتے ہیں کہ) دلیل کی رو سے میرے یہاں یہی قول زیادہ راجح ہے اس لئے کہ شریعت میں کسی خاص لفظ کا شرط ہونا ثابت نہیں، تو عرف کی طرف رجوع کرنا لازم ہوا جیسے دوسرے الفاظ بیع میں عرف کی طرف رجوع کیا جاتا ہے۔ (روضة الطالبين، دار الكتب العلميه ۵/۳) اس طرح علماء شوافع کے ہاں صحیح قول کے مطابق وہ باہنر لوگ جن کی عادت اجرت اور مزدوری سے کام کرنے کی ہو۔ اس وقت تک اجرت کے مستحق نہیں ہونگے جب تک عقد کرتے وقت صراحتاً اس کی شرط نہ لگائی گئی ہو۔ جیسے کسی شخص نے درزی کو سینے کے لئے کپڑے دے دیئے یا کوئی شخص حلاق (حجام) کے سامنے سر منڈوانے کے لئے بیٹھ گیا یا کسی سواری میں مالک کی اجازت کے بعد بیٹھ کر سفر طے کرے اور متعاقدین کے درمیان پہلے سے اجرت طے نہ ہو تو یہ لوگ اجرت ادا کرنے کہ مستحق شمار نہیں ہونگے جبکہ احناف، موالک اور حنابلہ کے ہاں معروف بمنزلہ مشروط کے ہوتا ہے اس لئے ان تمام صورتوں میں عرف کی وجہ سے بغیر تصریح کے بھی عقد جارہ منعقد ہو جائے گا۔

عرف اور موالک:

فقہاء موالک نے احناف کی طرح شوافع کی بہ نسبت مسائل فقہیہ میں عرف اور تعامل کا زیادہ سہارا لیا ہے۔ موالک کے مشہور فقیہ امام

شاطبیؒ عرف کی اہمیت بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں۔ ''العوائد لجارية ضرورية الاعتبار شرعاً'' (الموافقات للشاطبیؒ ۲۰۰/۲) . جو عادتیں لوگوں میں جاری ہوں ان کو اعتبار دینا شرعاً ضروری ہے۔

فقہاء مالکیہ بھی احناف کی طرح عرف کو مشروط کے درجہ میں قرار دیتے ہیں جیسا کہ المدونة الكبرى کے اس جزیہ سے اس کی تائید ہوتی ہے کہ امام مالکؒ سے پوچھا گیا کہ اس اگر کوئی شخص کسی آدمی سے سو درہم قرض لے اور بغیر کسی شرط اور وعدہ کے اس کو ایک سو بیس درہم ادا کرے تو کیا یہ جائز ہے؟ امام مالک نے جواب دیا کہ دیتے وقت زیادہ دینا تو مجھے پسند نہیں۔ البتہ ادائیگی کے بعد اور دے تو اس میں کوئی حرج نہیں لیکن شرط یہ ہے کہ نہ پہلے سے کوئی وعدہ ہو اور نہ اس کی عادت اور عرف ہو۔ اگر پہلے سے شرط لگائی ہو یا زیادہ دینے کا عرف اور عادت ہو، تو زیادہ دینا درست نہیں ہوگا۔ اس لئے کہ معروف بھی بمنزلہ مشروط کے ہوتا ہے۔

(حاشيه الدسو قى على الشرح الكبير ، مكتبه زهران طبع بدار احياء الشرات ، ۴۳۲/۴) . معاملات وغیرہ میں موالک کا اصل مرجع عرف ہے۔ عرف ہی کی وجہ سے ایک چیز کے اجارہ، بیع اور ہبہ ہونے کا فیصلہ کیا جاتا ہے یعنی عرف میں جس کو لوگ عقد بیع سمجھتے ہو وہ عقد بیع کہلائے گا اور جس کو لوگ اجارہ سمجھتے ہوں وہ اجارہ ہوگا اور جس کو لوگ ہبہ سمجھتے ہو وہ ہبہ ہوگا۔ اور اس طرح آلات عمل اور اس جیسی دوسرے چیزوں کو مستاجر یا اجیر (مزدور) پر لازم کرنے میں موالک کے ہاں بھی عرف اور عادت کے مطابق فیصلہ کیا جائے گا۔ علامه شمس الدين الدسو قى اس کی دلیل بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں۔ ''لان العرف يقيد مااطلقاه ويفسر ما اجملاه يكون شاهد المن ادعا ه'' اس لئے متعاقدین کے مطلق کو مقید کرتا ہے اور ان کی مجمل کی تفسیر کرتا ہے اور عرف اسی آدمی کے لئے شاہد ہوتا ہے جو اس کا دعویٰ کرے۔

حنابلہ اور عرف:

فقہاء حنابلہ کی تصریحات اور اشارات سے بھی یہ بات واضح ہوتی ہے کہ انہوں نے بھی احناف اور موالک کی طرح عرف کو بہت سے مسائل میں حکم اور اساس کا درجہ دیا ہے۔ چنانچہ ان کے ہاں بھی متعارف چیز بمنزلہ مشروط کے ہوتی ہے۔ علامہ ابن القیمؒ ''الشرط العرفى كالشرط اللفظى'' جیسے الفاظ کے ساتھ اس قاعدہ کی تصریح فرماتے ہیں یعنی عرفی شرط (درجہ میں) لفظی شرط کی طرح ہے۔ (اعلام الموقين دار الفكر بيروت ۲۹۳/۲)

اس طرح ان تمام چیزوں میں جن کو شریعت نے مطلق چھوڑا ہو اور لغت میں بھی ان کی کوئی تحدید منقول نہ ہو۔ عرف اور عادت کو اصل مرجع قرار دیا ہے۔ جیسے مقدار حیض، نماز کے دوران کشف عورت کے زیادہ ہونے اور احیاء موات کی حقیقت جاننے کے لئے عرف کی طرف رجوع کیا ہے۔ بیع معاطاۃ کو حنابلہ نے بھی عرف کی وجہ سے جائز قرار دیا ہے۔ علامہ ابن قدامہ حنبلی لکھتے ہیں۔ کہ شریعت نے عقیدہ بیع کو حلال کیا ہے اور اس کی کیفیت بیان نہیں فرمائی۔ اس لئے اس میں عرف کی طرف رجوع ضروری ہے۔ (المغنى لابن قدامه ، دار الفكر بيروت ج ۵/۴)

علامہ ابن القیم حنبلیؒ عرف کی اہمیت پر کلام کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ ساری زندگی کتابوں میں نقل کی ہوئی بات پر جمود اختیار نہ کر، بلکہ جب کسی دوسرے شہر اور علاقے کا آدمی تمہارے پاس فتویٰ لینے آجائے تو اس سے اس شہر کے عرف کے بارے میں پوچھو اور اسی کے مطابق جواب دو۔ مشائخ نے کہا ہے کہ یہی بات حق اور واضح ہے۔ ہمیشہ کے لئے منقولات پر جمود اختیار کرنا گمراہی اور سلف وصالحین کے مقاصد سے بے خبری ہے اس قاعدہ پر ایمان، طلاق، عتاق، صریح اور کنایہ کے صیغوں کا مدار ہے کہ عرف کی وجہ سے کبھی صریح کنایہ بن جاتا ہے اور کنایہ صریح کی صورت اختیار کر دیتا ہے۔

امام بخاریؒ اور عرف:

حضرت امام بخاریؒ عرف کے مرجع اور اساس ہونے کو بیان کرنے کے لئے کتاب البیوع میں ایک مستقل باب قائم کرتے ہیں۔ لکھتے ہیں "باب من اجری الامصار علی ما یتعاونون بینهم فی البیوع والا جاره والمکیال والوزن وسنتهم علی نیا تهم مذاهبهم المشوره" یعنی یہ باب اس بات کے بیان میں ہے کہ تمام شہروں کے معاملات کو اس طریقہ پر جاری کیا جائے گا جو ان کے درمیان متعارف ہوں۔ بیوع اجارہ کیل اور ہر چیز میں لوگوں کا تعارف معتبر رہے گا۔ اور یہ جو معاملات سرانجام دیتے ہیں۔ ان کی اس سنت اور طریقہ پر ہوتے ہیں جو ان کی نیتوں اور مشہور مذاہب کے مطابق ہو۔ (صحیح البخار قدیمی کتب خانه ج ۱/ ۲۹۴)

صحیح بخاری کے شارحین نے یہ تصریح کی ہے۔ کہ اس ترجمہ الباب کے قائم کرنے سے امام بخاریؒ کا اصل مقصد عرف کے معتبر ہونے اور مسائل فقہیہ میں اس کے مؤثر ہونے کو بیان کرنا ہے۔ امام بخاریؒ نے اس اصل کی تائید اور ترجمۃ الباب کو ثابت کرنے کے لئے متعدد روایات اور آثار کا سہارا لیا ہے۔ جن میں سے حدیث ہند اور اثر شریح کا ذکر دلائل کی بحث میں گزر چکا ہے۔

ظواہر اور عرف:

اصحاب الظواہر نے جس طرح دوسرے کئی مسائل میں علماء جمہور کی مخالفت کی ہے اس طرح عرف کو حکم کی اساس قرار دینے میں بھی جمہور علماء کے قول سے اعراض کیا ہے۔ چنانچہ ابن حزم ظاہریؒ الاحکام فی اصول میں لکھتے ہیں۔

"واما عرف الناس فیما بینهم فلا حکم له ولا معنی وما عرف الناس منذنشأ والا الظلم والمکوس".

لوگوں کا آپس میں رائج عرف کا کوئی اصل اور معنی نہیں، کیونکہ عام لوگ جب سے پیدا ہوئے ظلم اور ٹیکسوں کے علاوہ اور کیا جانتے ہیں۔

جمہور علماء کے ہاں الفاظ بیع شراء، طلاق، نذر، ایمان اور دوسرے دیگر الفاظ میں عرف اثر انداز ہوتا ہے چنانچہ بعض الفاظ سے صرف عرف اور تعامل کی وجہ سے جمہور کے ہاں بیع اور یمین کا انعقاد ہو جاتا ہے۔ جبکہ اس کے مقابلے میں اصحاب الظواہر کا کہنا ہے کہ وہ تمام الفاظ جن کے ساتھ احکام شرع متعلق ہیں۔ توقیفی ہیں ان میں شرع یعنی قرآن وحدیث کی طرف ہی رجوع کرنا ضروری ہے لیکن یہ نصوص کے ظاہر پر جمود کی ایسی انتہاء ہے جو لوگوں کو حرج اور تنگی میں ڈالنے اور ان کے مصالح کے فوت ہونے کا بہت بڑا سبب ہے۔